اعجازِ علامہ کشمیریؒ

مجموعہ مضامین

مفتی محمد مفہیم الدین صاحب بجنوری

مرتب

مولانا احمد رضا صاحب قاسمی مرادآبادی

ناشر

ایم ایف بجنوری پبلشرز

اعجازِ علامہ کشمیریؒ

مجموعہ مضامین

مفتی محمد فہیم الدین صاحب بجنوری

سابق استاذ دار العلوم دیوبند

مرتب

مولانا احمد رضا صاحب قاسمی مرادآبادی

ناشر

ایم ایف بجنوری پبلشرز

تفصیلات:

جملہ حقوق بہ حق مصنف محفوظ ہیں

نام کتاب: اعجازِ علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ

مجموعۂ مضامین: مفتی محمد فہیم الدین صاحب بجنوری

سابق استاذ دار العلوم دیوبند

صفحات: ۴۴

مرتب: مولانا احمد قاسمی مرادآبادی

ناشر: ایم ایف بجنوری پبلشرز

رابطہ: 9634830797

ملنے کا پتہ: ایم ایف بجنوری پبلشرز

فہرست

فہرست _____ ۳

ابتدائیہ _____ ۵

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا غیر معمولی تاثر _____ ۱۱

زندہ کتب خانہ _____ ۱۲

"چلتا پھرتا کتب خانہ" لقب کی ابتدا _____ ۱۴

عاریت کی کتاب واپس نہ کرنا بھی روایت ہے، نیز زمان و مکان کی نہایت

دل چسپ بحث _____ ۱۵

صدیوں کی شخصیت _____ ۱۹

بیان اور دانائے بیان _____ ۲۱

علامہ کشمیری کی علمی نسبت کا حال _____ ۲۳

دو تعبیریں _____ ۲۵

برصغیر کے تدریسی منہج کا آخری معمار _____ ۲۷

کشمیری اے آئی _____ ۳۲

علامہ کشمیری کے علم کا موازنہ _____ ۳۶

موسوعیت _____ ۴۲

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا و مصلیًا أما بعد:

پیش نظر رسالہ دارالعلوم وقف دیوبند میں گذشتہ دنوں منعقد سیمینار کے لیے لکھا گیا تھا، میں گرد و پیش کے غیر علمی ماحول کی وجہ سے انتظامیہ میں طے شدہ عنوان پر لکھنے سے قاصر رہا تھا؛ لیکن حضرت علامہ کا تاثر طبیعت پر قدیم سے نقش ہے؛ اس لیے عمومی اظہارِ خیال میں ذاتی کوائف حائل نہیں ہوے۔

ابتدا میں اس کا عنوان "جہانِ علامہ کشمیری" تھا، بار بار پہنانے پر بھی کرتا نارسا واقع ہوتا، پھر کئی خوب صورت عباء آزمائے، سب کو کہتر پایا، آخرش "اعجازِ علامہ کشمیری" والے نام سے ایک گونہ ادائے حق کی توقع وابستہ ہوئی، جن کی نگاہوں نے پرانا عنوان دیکھا ہے وہ الجھن کا شکار نہ ہوں۔

حسبِ سابق یہ مقالہ بھی عزیزم مولانا احمد قاسمی مرادآبادی کی نظر میں تھا، ترتیب کی خلعت سے سرفراز ہوا، سر درست

اسے پی ڈی ایف شکل میں شائع کیا جارہا ہے، بعد از سہولت خارجی کتاب کی صورت بھی رونما ہوگی، رب کریم ان بہانوں کو فارسی مقولے "رحمتِ حق بہانمی جوید، بہانہ می جوید" کی مثال بنائے، بے پایاں رحمت، کرم نوازی اور وسیع مغفرت میں شامل فرمائے، آمین۔

محمد فہیم الدین بجنوری

٦ شعبان ١٤٤٧ھ

٢٦ جنوری ٢٠٢٦ء

ابتدائیہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حامدًا و مصلیًا أما بعد:

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی نسبت پر علمی و فکری سیمینار کا انعقاد مبارک قدم ہے، اس کے لیے دارالعلوم وقف دیوبند مستحق تبریک ہے، اکابر سے نزدیکی کے لیے یہ موثر راستہ ہے، انتظامیہ کی طرف سے پروگرام کی تشہیر کے بعد علامہ کشمیری کا تذکرہ بڑے پیمانے پر ہوا، مختلف پلیٹ فارم ان کی نسبتوں سے مہک اٹھے، علم و تحقیق کی فضا نمودار ہوئی، فضلاء کے شغلِ علامہ نے حضرت کے فیض کو ایک تازگی فراہم کی۔

اس سلسلے کو بڑھانے کی ضرورت ہے، آئندہ سیمینار حضرت نانوتوی رحمۃ اللہ علیہ پر ہو، گلستان قاسمی میں بہار آجائے، سب چاہتے ہیں کہ فضلا اکابر سے مربوط ہوں، مشائخ دیوبند کی سیر وسوانح کی راہ سے ان میں دیوبندیت راسخ ہوگی، وہ حقیقی معانی میں قاسمی بنیں گے، اس

تحریک کے لیے سیمینار سلسلہ زبردست عملی تجویز ہے، ترسیخِ فکر دیوبند اور تفہیم مسلک اکابر کی ایک سالانہ تقریب کا اہتمام نہایت مفید ہوگا۔

فی زمانہ سوشل میڈیا محور عالم ہے، ہر سرگرمی سوشل پلیٹ فارموں پر تجلی کرتی ہے، دیوبندی انتساب کی بلبلیں بھی سماجی گوشوں میں ایک نمائندگی رکھتی ہیں، اکابر کے یہ سلسلے متحرک ہوں گے تو نئے میدان ان کے تذکروں سے معمور ہوں گے، بزرگوں کا ترکہ زندہ ہوگا، ہماری شخصیات کا اجتماعی مطالعہ رونما ہوگا، دیوبندی فضا حاوی ہوگی، قاسمی امتیاز سامنے آئے گا، ہماری تشکیل کے خدوخال واضح ہوں گے اور نشانِ دیوبند آسان فہم ہوگا۔

تاریخ کے سفر میں ہمارے اکابر ہم رکاب رہیں، یہ پروگرام اس غرض کے لیے ناگزیر ہیں، ان کی دریافتیں آج کی معنویت میں سامنے آئیں گی، علمی اور فکری سفر اسی کو کہتے ہیں، ان کے کمالات کی عصری تعبیر مطلوب ہے، علامہ کشمیری پر لکھنے والے خود علامہ تھے؛ مگر وہ پچاس اور پچھتر سال قبل کے قلم تھے، دو ہزار پچیس میں نئے آئینے درکار ہیں، آج کی زبان حضرت کشمیری کے علوم کو نیا سیاق دے گی، نفحۃ العنبر نے پون صدی قبل عطر بیزی کی تھی، آج فروغِ عطر میں اس

سیمینار کا کردار ہے۔

میری یہ تحریر ناقص ہے، دعوتِ تحریر کے بعد جدید مطالعے میں جو تاثرات عیاں ہوے بے ترتیب حاضر ہیں، مربوط ہے نہ محقق، موضوع بھی طے نہیں، بلا تکلف عرض ہے کہ علامہ کشمیری کی کلامی تحقیقات میرا موضوع تھا آج معلوم ہوا، سچائی یہ ہے کہ نظر پڑ جاتی تب بھی تحقیق موضوع اور پابندی عنوان سے ہار جاتا، میں نے دو ہزار پچیس میں حضرت علامہ کو جس رنگ میں دیکھا پیش کر دیا، چوں کہ یہ سرسری اور سطحی تحریر ہے اگر شاملِ اشاعت نہ ہوئی تو ایک موزوں اور منطقی فیصلہ ہو گا اور اگر ہجوم مضامین میں نظر آئی تو کرم پر محمول کروں گا۔

آپ نے ایک دور افتادہ، بے مصرف، منزوع العلم والفکر، پراگندہ حال کو یاد کیا اس عزت افزائی کا شکریہ، سیمینار تو ایک ماہ بعد ہے؛ مگر اس تحریک نے انفاس تازہ کو علامہ کے عطر سے مہکا دیا ہے، ہر سو چھائے ہوے ہیں، علمی گلیوں میں حاوی ہیں؛ یہ بڑی کام یابی ہے اور اس کے لیے آپ قابل مبارک باد ہیں، میں ذاتی الجھنوں کی وجہ سے پڑھنے کے لیے وقت فراہم نہیں کر سکا، دورانِ مقالہ کئی کئی روز بے پڑھے گذرے، کشید میں اس خامی کی وجہ سے پیش نظر عطر کیفیت اور کمیت

دونوں میں ناقص رہ گیا، چوں کہ آج کی تاریخ ہے؛ اس لیے عیب نامہ ارسال ہے؛ تاہم سیمینار تک مطالعہ جاری رکھنے کا ارادہ ہے، اگر کچھ خاص دریافت سامنے آئی تو اسے بھی پیش کروں گا، طالب دعا:

محمد فہیم الدین بجنوری

مقیمِ حال: بنگلور

۲۳ جمادی الاولی ۱۴۴۷ھ

۱۵ نومبر ۲۰۲۵ء

حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا غیر معمولی تاثر

اس علم پر ناچیز کیا ہی لکھ سکتا ہے جس نے امامِ علم و عمل حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے خراجِ مدح و عقیدت اور علامۂ فکر و فن ڈاکٹر اقبال سے خراجِ تاثر و مرعوبیت وصول کیا، جادو سر چڑھ کر بولتا ہے، علم کا جادو رشک آور سامانِ تسخیر ہے، جادو کو خاطر میں نہ لانے والے علمی کرامت پر بچھ جاتے ہیں، شاہوں کے نقشے جن کی نظروں میں جگہ نہیں پاتے وہ علمی عظمت کے سامنے سر نیاز خم کرنے کو اعزاز سمجھتے ہیں، حکمرانوں سے کنی کاٹنے والے سلاطینِ علم کی دست بوسی کرتے ہیں، قدموں میں بیٹھ جاتے ہیں، علامہ کشمیری کا اعجاز ہے کہ ان کی علمی عظمتوں نے جبال علم کو خیرہ کیا۔

ہم زمانہ علم کی انتہا یہ ہے کہ استاذ مراجعت کرے اور وہ استاذ بذات خود امام العلماء ہو، حضرت مولانا ادریس کاندھلوی ناقل ہیں کہ حضرت شیخ الہند رحمۃ اللہ علیہ مشکل مباحث میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری سے استفسار اور رجوع کرتے تھے۔

حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد

متواتر ہے کہ علامہ انور شاہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ صداقتِ اسلام کی دلیل ہیں، اگر اسلام میں کوئی سقم ہوتا تو مولانا پر آشکار ہو کر رہتا، اس قول کا امتداد اور استطراد یہ ہے کہ حضرت علامہ کی ذات حنفی مذہب کے حق ہونے کی برہانِ عظیم ہے، اگر فقہ حنفی میں انحراف ہوتا تو شاہ صاحب کی گرفت میں آتا، حضرت علامہ مجتہد محدث تھے؛ مگر چشمۂ حدیث سے رواں فقہ حنفی نے ان کے مقامِ اجتہاد کو فتح کر لیا، قرآن وسنت کی کرنوں میں جگمگاتے نعمانی استنباط سے وہ مسحور ہوے اور محقق زمانہ صفِ تقلید کا حسن آرا بنا۔

زندہ کتب خانہ

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے حافظے کی تعبیر میں "چلتا پھرتا کتب خانہ" زبان زد عام وخاص ہے، یہ معرفت خود ان کی حیات میں عام اور مقبول ہوگئی تھی، جو کہ غیر معمولی شخصیت کا آئینہ ہوتا ہے، اس میں ایک تکمیلی اضافہ حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا، آپ نے حضرت علامہ کی وفات پر دارالعلوم کے تعزیتی اجلاس میں چلتا پھرتا اور بولتا ہوا کتب خانہ فرما کر تشبیہ پوری کر دی، یعنی حیوان ناطق کتب خانہ،

موبائل کتب خانہ، دیوبند کا زندہ کتب خانہ۔

حضرت امام العصر کے کمالات بے پایاں ہیں؛ مگر قطب الرحی کا رتبہ حافظے کے لیے مخصوص ہے، عجوبۂ روزگار حافظہ آپ کی شخصیت کا فن کار ہے، کتابوں کی فراہمی سہولت ہو سکتی ہے، کتب بینی کا شغف بھی موقع اور امکان سے زائد نہیں، یہ اور اس راہ کا کوئی بھی شغل فتح سلطنتِ علم کی ضمانت نہیں، جس طرح خونِ جگر کے بغیر نقش ناتمام ہوتے ہیں، بعینہ حافظے سے عاری کسرت بھی نتیجے کی راہ تکتی رہ جاتی ہے، وہ "فرقدین" (دوروشن ستاروں، نیل الفرقدین) تک رسائی حاصل کرنے اور فرقدین کو ہم دست کرنے میں (بسط الیدین لنیل الفرقدین) کام یاب ہوے تو اس کا سہرا بے نظیر حافظے کے سر ہے۔

حافظہ ہی فرق پیدا کرتا ہے، ورنہ راقم بھی علامہ کا لائٹ ورژن ہوتا، ایک وقت خیال آیا کہ رواتِ حدیث سے آگہی حاصل کی جائے، لسان المیزان کا ابو غدہ کی تحقیق والا نسخہ جامعہ مسیح العلوم کی لائبریری میں چمک رہا تھا، میں نے ایک جنون میں دس یا گیارہ جلدوں پر مشتمل پورا سیٹ بالاستیعاب پڑھا؛ لیکن اس دشت کی ایک بھی یادگار محفوظ نہیں، قلم برداشتہ اس بات کے استحضار میں تکلف سے گذر رہا ہوں کہ

مطالعہ کیا تھا، مجروحین کو پڑھنے کے بعد مقبولین کی واقفیت کا سودا سوار ہوا، سیر أعلام النبلا کی ہمت نہ ہوئی، اس کا ہلکا نسخہ تذکرۃ الحفاظ اٹھالیا اور اسی رو میں اس کی بھی ساری جلدیں پڑھ دیں۔

آج اس کی فقط دو باتیں یاد ہیں: حضرت عمر بن عبد العزیز کی جامع دمشق میں حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات اور علامہ ذہبی کا ایک سے زائد ہستیوں کے تعلق سے یہ دعوی کہ انھوں نے چالیس سال عشا کے وضو سے فجر کی نماز پڑھی، حافظہ اصل ہے، باقی ہر چیز ثانوی ہے، ایک دور کتب خانوں کا تھا، پھر لیپ ٹاپ انقلاب آیا، اب ترقی کا قافلہ موبائل پر خیمہ زن ہے؛ لیکن حافظہ معری مطالعہ کل بھی "تراچہ مراچہ" تھا وہ آج بھی ایسا ہے اور کل بھی تبدیل نہیں ہوگا، اپنے بارے میں احساس اور تحقیق ہے کہ حافظے کی چِپ ہی مفقود ہے، پھر ہماری علمی زندگی کا کیا ہی ذکر جو میموری فری حواس پر تکیہ کناں محو سفر ہے۔

"چلتا پھرتا کتب خانہ" لقب کی ابتدا

ایک تحریر سے یہ تاثر قائم ہوا تھا کہ مذکورہ لقب حضرت مولانا حبیب الرحمن عثمانی مہتمم دارالعلوم دیوبند کی دریافت ہے، پھر یہ

انتساب حضرت مولانا سید سلیمان ندوی کی طرف پایا گیا؛ لیکن حضرت قاری طیب صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے تصریح فرمائی کہ لقب کی ایجاد کا سہرا حضرت مولانا سعید احمد اکبر آبادی نام ہے۔

عاریت کی کتاب واپس نہ کرنا بھی روایت ہے، نیز زمان ومکان کی نہایت دل چسپ بحث

جدید سائنس، ریاضی، فلکیات، صنعتی انقلاب؛ حتی کہ ٹیکنالوجی، جی پی ایس اور مواصلات کی ترقی بنیادی طور پر زمان ومکان کی معرفت پر موقوف ہے، دنیا کی پیش رفت کے لیے زمان ومکان کی پرتیں کھولنا، پوزیشن طے کرنا، خواص تلاش کرنا اور ان کے فیچرس کی سچی اور واقعی دریافت ناگزیر تھی، دنیا کے نزدیک نیوٹن کی تحقیقات اس ضمن میں سب سے بڑا سنگ میل ہیں، کشش ثقل اس کی دریافت ہے، زمان ومکان کے وہ حقائق جن کے دوش پر مغرب نے کمندیں ڈالیں اور چرخ کی تسخیر کی وہ بیشتر نیوٹن سے منسوب ہیں۔

حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کو جدید علوم سے بھی ایک واقفیت اور مناسبت تھی، وہ نیوٹن کے دعوؤں سے آگاہ ہوے تو ان کا ماتھا ٹھنکا؛

کیوں کہ نیوٹن کی باتیں علامہ عراقی کی صدیوں پرانی کتاب غایۃ البیان فی تحقیق الزمان والمکان سے ماخوذ تھیں؛ گو کہ اس وقت آئن اسٹائن کو دور شروع ہو گیا تھا؛ مگر ایسا لگتا ہے کہ علامہ تک یہ قدرے بدلا ہوا نیا نظریہ نہیں پہنچا تھا، کمیونیکیشن برقی نہیں تھا، حضرت نے نیوٹن کے دعوائے یکسانیت کی بھی تردید نہیں کی، بس نقل کا دعوی کیا۔

حضرت کی گرفت یورپ کی نسبت صدا بہ صحرا تھی؛ مگر پنجاب میں گونجی، حضرت علامہ کا پنجاب سے الہامی رشتہ ہے، ان کی طالب علمی کا اہم جزو اس مٹی کا احسان مند ہے اور ان کی شخصیت کے قدردان بھی وہیں زیادہ تھے، ڈاکٹر اقبال کی عقیدت کو ایک رو کا حصہ بھی سمجھنا چاہیے، شدہ شدہ یہ دعوی اقبال کے کانوں تک پہنچا اور وہ چہک اٹھے، علامہ عراقی کی کتاب عاریت پر مانگی اور علامہ کے دعوے کو انگریزی لبادے میں یورپ بھیجا۔

مجھے یہ جانکاری نہیں کہ وہاں تنبیہ نے توجہ مبذول کی یا نہیں، مجھے علامہ عراقی کی کتاب بھی دست یاب نہیں ہوئی، مذکورہ تناظر میں پڑھنے کی شدید خواہش تھی، ایک عرصہ بعد علامہ نے کتاب واپس مانگی تو اقبال نے کہا کہ میں واپس کر چکا ہوں، اس جواب کا علامہ پر ملا جلا اثر

ہوا اور انھوں نے نزدیکی لوگوں سے کہا کہ لوٹا ہی دی ہو گی، اتنا بڑا آدمی جھوٹ کیسے بول سکتا ہے، یہ علامہ کشمیری کی معصومیت ہے، اسے ذہن میں رکھیں، ایک بڑے قضیے کی تفہیم میں ضرورت پڑے گی، ہم جیسے کرتب باز جانتے ہیں کہ عاریت والی کتاب دبالینا روایت ہی نہیں بزرگانہ ادا بھی ہے۔

علامہ عراقی کی کتاب نہیں ملی، نیوٹن جیسے عبقری انسان کے استفادے کے مناظر دل چسپ ہو سکتے تھے، تاہم اب دنیا آئن اسٹائن کی ہے، اسی لیے کہتے ہیں کہ سائنس کی تصدیق میں جلدی نہیں کرنی چاہیے، زمانے کی یکسانیت، عدمِ تاثر، استواری اور بے لچک ہونے کا نیوٹن دعوی زمین بوس ہو گیا، آئن اسٹائن نے دنیا کو آخری سچائی دی کہ زمانہ خمیدہ، لچک دار، قابلِ انحناء اور مختلف رفتار والا ہے، دو جڑواں بھائی اگر مختلف کشش ثقل والے سیاروں پر گئے تو عمروں میں بڑا فرق ہو گا، بڑے جسم کے دباؤ میں زمانہ مڑ جاتا ہے، جب زمین کی کشش ثقل بڑھے گی تو گھڑی سست ہو جائے گی، اس نظریے میں مکان اصل ہے اور زمان تابع، بس کیا ہی زبردست تحقیق ہے!

اللہ تعالی نے زمانے کی دو مزید رفتار ذکر کی ہیں، سورۂ حج میں

ایک ہزار سال اور سورۂ معارج میں پچاس ہزار سال، احادیث میں ایک تیسری رفتار کا ذکر ہے، فرمایا: دجال کا پہلا دن سال کے برابر، دوسرا مہینے کے برابر، تیسرا ہفتے کے برابر اور باقی حسب معمول، یعنی چوتھے روز کرۂ ارض کی معتدل کششِ ثقل بحال ہو جائے گی، مختلف سیاروں کی کشش ثقل مختلف ہے، بلیک ہول میں لامحدود بتائی گئی ہے، وہاں آپ چائے کا چمچ بھی نہیں اٹھا سکتے، روشنی کا بھی گذر نہیں، قید ہو جاتی ہے، ایسے مقام پر انسان کی عمر بھی ٹھہر جائے گی، اگر حضرت عیسی علیہ السلام کے لیے ایسا نظم ہے تو جسمانی لحاظ سے ان کی عمر میں صرف دو دن کا اضافہ ہوا ہے یا اس سے بھی کم۔

قرآن وسنت میں زمانے کی متنوع صورتیں قابل توجیہ سمجھی گئی تھیں، قدیم مفاہیم اپنی جگہ معقول ہیں؛ مگر زمان ومکان کی جدید تحقیقات بھی خدائی عظمتوں کی دریافتیں ہیں، آج یہ حقائق ہیں، جہانِ نو کی کامیابیاں انھیں کے دوش پر قائم ہیں، اب یہ طلسم اور جادو قابلِ لمس صداقت ہے، جدید دور نے ہماری عبارتوں کے تقدس کو مجسم کیا ہے، یہ مقامِ فخر ہے، یعنی ہم نہ کہتے تھے کہ ایک دن ایک دن کا بھی ہوتا ہے، ہزار دن کا بھی، پچاس ہزار دن کا بھی، ایک سال کا بھی، ایک ماہ کا بھی اور

ایک ہفتے کا بھی، وہ حسبِ ضرورت و مصلحت کشش ثقل کم زیادہ کرتے ہیں، مکان کا دباؤ بڑھا دیتے ہیں، کبھی صرف ایک غار کو جام کرتے ہیں؛ اس درجہ کہ تین سو نو سال ایک شام بن کر رہ جاتے ہیں، بے شک وہ احسن الخالقین ہے اور اس کی تخلیق میں برکتیں پنہاں ہیں۔

صدیوں کی شخصیت

ہزاروں سال نرگس اپنی بے نوری پہ روتی ہے
بڑی مشکل سے ہوتا ہے چمن میں دیدہ ور پیدا

علامہ اقبال کا تاریخ ساز شخصیات کی نایابی سے متعلق مذکورہ بالا شعر عجوبۂ روزگار ہے، وہ یومِ تخلیق سے تادم تحریر انسانی عظمتوں کی تعبیر میں بے نظیر واقع ہوا ہے؛ لیکن علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ کی وفات اس کی ترجمانی کی معراج ہے؛ کیوں کہ اس روز یہ شعر خود صاحبِ شعر ڈاکٹر اقبال نے دہرایا تھا، اس مثالی شعر کی حیات میں وہ لمحہ مقامِ ناز تھا جب شاعرِ اسلام نے علامہ کشمیری کے وصال پر تقریر کرتے ہوئے تاثرات کی نمائندگی میں اس کا سہارا لیا، یادگارِ زمانہ اشعار بزبان تخلیق کار سننا سنسنی خیز لمحہ ہوتا ہے۔

حضرت مفتی تقی عثمانی صاحب کی دارالعلوم آمد کے وقت مسجد رشید کے اجلاس میں ترانۂ دارالعلوم کی نغمہ سنجی ہوئی، اس موقع پر تعارفی خطاب کے لیے حضرت مولانا ریاست علی بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کو دعوتِ کلام دیتے ہوے حضرت قاری عثمان صاحب منصور پوری رحمۃ اللہ علیہ نے ایک جملہ کہا اور بزم ان کی ہوگئی، فرمایا: اب ترانہ نگار خود ترانے کی تشریح فرمائیں گے، پھر حضرت بجنوری رحمۃ اللہ علیہ نے بھی البیلی تشریح کی، فرماتے ہیں کہ مہمان کی آمد پر دارالعلوم کے تعارف کا معمول ہے؛ مگر آج ایسے مہمان سے سابقہ ہے جن سے ہمیں خود پوچھنا ہے کہ دارالعلوم کیا ہے۔

حضرت بجنوری غیر معمولی ذہانت کی وجہ سے دلچسپیوں کا خزانہ تھے، ہماری جوڑی تضاد آفرین تھی، وہ بلا کے ذہین، میں اسی تناسب کا بلید، پھر میری تربیت ہوئی، جب انھیں عذر ہوتا تو فون کرتے؛ مگر عذر کی پہل کو ملتوی رکھتے، کہو فہیم! کیا ارادہ ہے؟ دورِ حمق میں فورا کہتا کہ راستے میں ہوں، تب وہ نئی صورت حال رکھتے اور میں واپس جاتا، پھر جب شائستگی نصیب ہوگئی تو فون اٹھا کر ناغہ اپنے سر لینے میں سبقت کرتا، ادھر سے وہ فرماتے کہ مولانا محمود مدنی آئے ہیں، اہم گفتگو درپیش ہے،

ادھر سے میں کہتا کہ حضرت میں خود فون کرنے والا تھا، مجھے کچھ کام آگیا ہے، کل حاضر ہوتا ہوں، اس سے ان کی طبیعت کا بوجھ ہلکا ہوتا، ان کے لیے ایضاح البخاری کا التوا سخت گراں بار تھا۔

بیان اور دانائے بیان

تلوار کا کمال بازو پر منحصر ہے، بازو تلوار کا رہین نہیں، یہ عربی محاورہ ایک کہانی بیان کرتا ہے، ہاتھ کی قوت اور فنکاری تلوار کی پروفائل تشکیل دیتی ہے، ناقص ہاتھ کو کوئی تلوار فاتح نہیں بنا سکتی، جنگ کے سیاق والی یہ حکمت ہر شعبے پر منطبق ہے، میرا ایک دوست ماہر ڈرائیور ہے، خطروں سے خاص شغف رکھتا ہے، میرٹھ ہائی وے پر ایک بی ایم ڈبلیو سے ٹھن گئی، ہماری کار از کار رفتہ تھی، ڈرائیور سیٹ دونوں طرف پاگلوں کے ہاتھوں مقبوض تھی، مقابلہ طویل ہوا، سانسیں رکتی رہیں، آخرش خستہ کار کا دمدار بازو جیت گیا۔

کہتے ہیں کہ لفظ اپنے آپ میں غیر معمولی نہیں ہوتا، اس کی ذاتی تاثیر اور دلکشی صاحبِ گفتار اور صاحبِ بیان کی راہ تکتی ہے، سخن ور کا استعمال اس کی رفعتیں دریافت کرتا ہے، یہی حال علما کا ہے، سادہ تعبیر جب ان سے منسوب ہوتی ہے تو گہرائی اور گیرائی کے نئے معانی وضع

ہوتے ہیں، مثال کے طور پر لفظ دین ایک سادہ، عام فہم اور واضح لفظ ہے؛ لیکن جب علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ نے اسے اپنے تاثر کے قالب میں لیا تو سمندر کی گہرائیاں کم پڑ گئیں، فرماتے ہیں:

"ہم یہاں آئے (یعنی کشمیر سے دیوبند کے علاقے میں) تو دین حضرت گنگوہی کے یہاں دیکھا، اس کے بعد حضرت استاذ (یعنی حضرت شیخ الہند) اور حضرت رائے پوری (یعنی حضرت شاہ عبد الرحیم رائے پوری) کے یہاں دیکھا اور اب جو کوئی دیکھنا چاہے وہ حضرت مولانا اشرف علی صاحب کے یہاں جا کر دیکھے۔" (الانور: ۵۴۷)

قائل اس تبصرے کے وقت رشکِ جہاں مسندِ علم کا روح رواں اور میر کارواں تھا، یہ بات دارالعلوم دیوبند کے شیخ الحدیث نے دارالعلوم دیوبند کی دارالحدیث میں کہی تھی، اس بے ساختہ جملے کی تہہ میں جائیں، دین اور علم دین میں نظر آنے والی تساوی کی نسبت کبھی عام خاص مطلق میں بدلتی دکھائی دے گی تو کبھی عام خاص من وجہ رونما ہو گا۔

دین اپنے آپ میں بڑا لفظ ہے؛ لیکن آج ایک عظیم زبان پر آیا تو دو جہاں کی وسعتیں سمٹ گئیں، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ بحیثیت سرپرست دارالعلوم دیوبند حضرت حافظ احمد رحمۃ اللہ علیہ مہتمم دارالعلوم

دیوبند کی معیت میں حضرت علامہ انور شاہ کشمیری کے درس میں شریک ہوے، واپسی پر مہتمم صاحب تاثر جاننے کے خواہاں ہوے، حضرت تھانوی نے فرمایا کہ جامعیت کا یہ عالم ہے کہ ہر جملے پر ایک رسالہ لکھا جا سکتا ہے، راقم کہتا ہے کہ علامہ کا درج بالا جملہ بعینہ شان کا مالک ہے، پڑھو اور رسالے لکھو۔

علامہ کشمیری کی علمی نسبت کا حال

ان کے علم کی نسبت میں ایک سحر ہے، سو سال بعد بھی زندہ، توانا، حاوی اور جاوید ہے، نفسِ ذکر میں علم کی خوش بو مہکتی ہے، ان کی صحبت سے گذرنے والا علمی حلف اٹھاتا ہے، یہاں ظاہری صحبت مراد نہیں، علمی ورثہ مراد ہے، آپ ان کے رسائل ثلاثہ سینے سے لگائیں، سنگِ میل کا تجربہ ہو گا، ان کی کتابیں اعراف ہیں، ان کے لمس سے قبل آپ ایک انسان ہیں اور لمس کے بعد انسانِ دیگر ہیں، میں نے چھونے کی بات کی ہے، پڑھنے کا عالم نہ پوچھو! ان کی کتابیں خریدتے ہی جسم میں علم کی برق دوڑ جاتی ہے، متوسط فاضل میں محقق کی روح نزول کرتی ہے۔

وہ گویا ہوتے ہیں تو باغِ علم کے پھولوں کو نچوڑ کر رکھ دیتے ہیں، ان کے پاس تحقیق کی جڑی بوٹیاں پکی ہوئی کشیدہ حالت میں ہیں، انھوں

نے ابن حجر کو لقمے دیے اور یہ ان کا مقام ہے، وہ ابن تیمیہ کے سہو پر متنبہ کرتے ہیں، وہ روات کے ناموں کی تصحیح کرتے ہیں، وہ حذف شدہ کو بحال کرتے ہیں، زائد اضافے کی منادی کرتے ہیں، ذمے دار کی تعیین کرتے ہیں، وہ زبیر بر وزن عزیر اور زبیر بروزن صغیر کے التباس سے بچاتے ہیں، وہ صحیح اور مرفوع حدیث میں موقوف لاحقے کی گرفت کرتے ہیں، ہم نام اور ہم ولدیت راویوں کی تشخیص کرتے ہیں، وہ زیلعی کی تصحیح زیلعی سے کرسکتے ہیں، یعنی دوسرے مقام پر انھوں نے صحیح ذکر کیا تھا۔

ان کے مطالعے نے ایک چھلنی وضع کی ہے اور حافظے نے ٹارچ بنائی ہے، ایک ہاتھ میں ٹارچ متحرک ہے اور دوسرا ہاتھ چھلنی پر ہے، شناخت اور تمیز کا عمل جاری وساری ہے، وہ علم کو جام بنادیتے ہیں، ان کی بزم کا فاضل سرشار اور مدہوش ہوتا ہے، ان کی تصنیف مجلس پیغام ہے، وہ قاری کی منگنی کردیتے ہیں، ان کی تدریس خطبۂ نکاح ہے وہ علم کو رشتۂ ازدواج سے منسلک کرتے ہیں اور مخاطب کو علمی ہنی مون پر بھیج دیتے ہیں، ان کا خوشہ چین یوٹرن کی بیعت پر منتہی ہوتا ہے؛ یہی وجہ ہے کہ ان کے تمام تلامذہ شمع علم کے جاں نثار ثابت ہوے، اگر ولی کی نشانی یہ

ہے کہ خدا یاد آجائے تو عالم کی نشانی یہ ہے کہ علم یاد آجائے اور ہر نقش ماسوا پر چھا جائے۔

دو تعبیریں

حج کی روایات کے ظاہر سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ یوم النحر کے افعال میں ترتیب واجب نہیں، اختیاری ہے، ساتھ میں یہ پیغام بھی جاتا ہے کہ شرعی احکام میں جہالت عذر ہے، عدم علم پر مبنی غلطی معاف ہو گی اور غیر موثر بھی؛ لیکن اس سے نظام شریعت متاثر ہوتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک اہتمام سے ترتیب بیان کی تھی اس کی معنویت پر حرف آئے گا، وہ اہتمام بے مصرف ٹھہرتا ہے؛ اس لیے احناف نے تاویل کی۔

فرماتے ہیں کہ "لاحرج" گناہ کی نفی ہے، ناواقفیت کی وجہ سے اخروی مواخذہ معاف ہے؛ تاہم شرعی حکم مرتب ہو گا اور دم لازم آئے گا؛ لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ حجۃ الوداع میں اس تقدیم و تاخیر پر دم کی ادائیگی رپورٹ نہیں ہوئی؛ یوں توجیہ کی گیند بدستور حنفیہ کے پالے میں چلی آتی تھی، حضرت علامہ کشمیری نے یہاں بڑی دلربا تاویل کی، فرماتے ہیں: "مگر وہ زمانہ انعقادِ شریعت کا تھا، جس میں بہت سی ایسی

خامیاں برداشت کرلی جاتی ہیں جو بعد کے دور میں نہیں کی جاسکتیں"۔

بعینہ یہی توجیہ استاذ گرامی قدر حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ کے یہاں بھی ہے، وہ فرماتے تھے: "یہ تشریع کے وقت کی ترخیص ہے،" حضرت کے یہاں اس نوعیت کے مخمصے میں یہ تشریح عام ہے، تعبیر میں قدرے فرق کے ساتھ توجیہ ایک ہی ہے، بعض مسائل میں نصوص کے ظاہر سے رونما ہونے والے بحران کا اس سے بہتر تدارک نہیں، غالبا یہ حل منقول نہیں، ان دونوں عباقرہ کی دریافت ہے اور یہ توارد ہے، حضرت الاستاذ کا ذہن اختراعی تھا، حضرت علامہ نے ایک بات ارشاد فرمائی، حضرت پالنپوری کے ذوقِ استنباط نے موافقت کی۔

حضرت الاستاذ کے یہاں غیر روایتی توجیہات کی کثرت ہے، ہمارے دور طالب علمی میں ان کا چرچا زبانوں کا رہین تھا، بعد میں وہ تحفۃ الالمعی اور تحفۃ القاری میں محفوظ ہو گئیں، اس وقت دو بزرگوں کا درس دورے کا قطب الرحی تھا؛ بل کہ دارالعلوم کی جان تھا، یہ کہنا درست نہیں کہ رقابت تھی؛ مگر ابوداؤد اور ترمذی کے مباحث کی یکسانیت حریفانہ تاثر پیدا کر جاتی تھی۔

تاہم یہ بات نوٹ کرنے کے قابل ہے کہ ابوداؤد کے درس میں بعض ان نکات کے مواقع اور مقامات کی نشاندہی اہتمام سے ہوتی تھی جو ترمذی کے سبق میں بطور انکشاف پیش کیے گئے تھے، شوخ اور چنچل طبیعتیں اشارے کرتی تھیں؛ مگر سنجیدہ طلبہ درست محمل سے واقف تھے، زیر بحث دو تعبیروں کی طرح وہ واقعات بھی توارد کی مثالیں تھیں، استنباط، استنتاج، اجتہاد اور تفکیر نژاد طبائع کو یہ صورت حال اکثر پیش آتی ہے اور حضرت پالنپوری رحمۃ اللہ علیہ اس باب کے امام تھے۔

برصغیر کے تدریسی منہج کا آخری معمار

حدیث کی تدریس کا قافلہ قدیم الایام سے "استملاء" (شیخ بولیں شاگرد لکھیں) اور "سرد" (شیخ پڑھیں شاگرد سنیں) کے رنگ میں محو سفر رہا، اس کی وجوہات تھیں، وہ ترجمہ و تشریح سے بے نیاز تھے، فقہ کے لیے ان کی مجالس جداگانہ تھیں، حلقہ ہائے حدیث کا نصب العین اجازت، ختم کتاب، تبرک، حفاظت حدیث، نقل، سند و سماع، صحیح ضبط و کتابت، سند و متن کی تحقیق، تحریری نقل اور راست سماعت جیسے خالص روایتی جلووں میں منحصر تھا، تشریحی نوٹس کی حیثیت ضمنی تھی۔

یہ طریقہ تیسری صدی ہجری سے رائج ہوا، بڑے بڑے محدثین جیسے: امام بخاری، امام مسلم، امام احمد بن حنبل، امام دارمی، امام بیہقی کے دروس میں استملاء کے جلسے ہوا کرتے تھے، روایت ہے کہ امام احمد بن حنبل کی استملائی مجالس میں ہزاروں طلبہ قلم ودوات لیے بیٹھتے، مستملي ان کی آواز سب تک پہنچاتا۔

حضرت شاہ ولی اللہ حجاز سے علم حدیث کا متاعِ گراں مایہ لائے تو ترسیل میں مسئلہ پیدا ہوا، پیچھے وہ سرد دیکھ کر آئے تھے، آگے تشریح درکار تھی، انھوں نے درمیانی راہ اختیار کی، محدثانہ طرز ناگزیر معلوم ہوا؛ مگر درایت ہمارے دیار کی ضرورت تھی، یہاں دورخی راہ دریافت ہوئی، ایک روز وہ مشکات المصابیح پڑھاتے، دوسرے دن اس کی شرح طیبی ڈیسک پر رہتی اور دیسی ذوق کی تسکین عمل میں آتی، ایک سال اس ہم آہنگی اور تقریبی ریاضت میں گذرتا، مشکات شریف کتب ستہ کو حاوی ہے؛ اس لیے دوسرے سال سردِ روایت غالب رہتا اور کتب ستہ ختم کرائی جاتیں۔

درایت اور فقہ الحدیث کے اس کاروان کو گنگوہ میں قطب عالم حضرت گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ نے آگے بڑھایا، گنگوہی دور میں اس نئے منہج

تدریس کے خدوخال نمایاں ہوے، حضرت کی درسی تقریریں: الکوکب الدری اور لامع الدراری وغیرہ اس مرحلے کی یادگار ہیں، پھر مظاہر علوم میں حضرت مولانا خلیل احمد سہارنپوری نے اور دارالعلوم میں حضرت شیخ الہند نے اس سفر کو تیز گام کیا اور درایت کے باغ میں باد بہار دیکھی گئی۔

تاہم درایت، معانی اور فقہ الحدیث کے نو پید رجحان کو پختگی، ثقاہت، کمال، عروج اور ختام المسک عہد تک پہنچانے کے لیے ایک غیر معمولی تبحر، استحضار، وسعت نظر، یادداشت، مصادر کی تسخیر اور مباحث کی دست یابی درکار تھی، دیوبند کی سعادت میں اس اضافے کے لیے رشک علم حضرت علامہ کشمیری کا انتخاب عمل میں آیا اور وہ دارالعلوم کی مسند تدریس پر لنگر انداز ہوے، ان کے دم گرم نے تاریخ تدریس کا دھارا ہمیشہ کے لیے تبدیل کر دیا۔

علم کا سمندر ان میں موج زن تھا، عجائب العلم وہاں معمول کے ملاقاتی تھے، درس گاہ میں سینہ اور سفینہ یکساں فعال نظر آتے، حافظہ شوخ ہوتا تو سفینوں سے تائید کا کام لیتے، کتاب کھول کر دکھاتے کہ ہمارا دعوی یہاں منتسب ہے، معلوم ہے کہ قابل مصنف ہمہ جہت جلوے

بکھیرتا ہے، داد تحقیق دیتے ہوے بہت دور نکل جاتا ہے، یہاں تک کہ سرِ رشتہ چوک جائے، قابل مدرس بھی آزاد ہوتا ہے، کسی بھی فن کی فال نکل آتی ہے، ان کے تلامذہ درس کی کاپی میں سات کالم بنا کر سات مختلف علوم وفنون کے امیدوار ہوتے تھے، اب سوچو انھوں نے تدریس کے برصغیر ماڈل کو کس بلندی سے متعارف کرایا!

وہ حافظ الدنیا تھے، بعد والوں کے لیے آزمائش چھوڑ گئے، اس کا اعتراف ان کے مسندی جانشین، تاریخ کے عظیم انسان، عجوبۂ روزگار حضرت مولانا حسین احمد مدنی رحمۃ اللہ علیہ نے کیا ہے، جام ہمارے لبوں تک پہنچتے پہنچتے کتنے ہی ساقی دیکھ چکا تھا؛ مگر ہر ساقی حضرت علامہ کا گل چیں پایا گیا، ناچیز نے حضرت شیخ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے دروس بالاستیعاب پڑھے، بالکل زانوئے تلمذ تہہ کیے ہوے ہیں، جیسے فیض الباری کا "ٹیلی پرامپٹر" سامنے ہو، ان کی تصانیف بھی حرف حرف پڑھیں گویا علامہ کے امالی ہوں۔

کسی شخصیت سے شدید تاثر کی علامت یہ ہے کہ کم زور رائے میں بھی موافقت کر جائے، یہ بڑوں میں بھی ہوتا ہے، اہل تحقیق کہتے ہیں کہ حضرت امام ابو حنیفہ کے وہ مسائل جن میں کلِ عالم فریق ہے، یا

بادیٔ النظر میں قوی نہیں وہ ابراہیم نخعی سے انتہائی تاثر کا نتیجہ ہیں، ان کے عظیم علم پر گہرے اعتماد نے کشتی میں سوار کر لیا، میں نے شیخ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کو ایسا ہی پایا، وہ تراویح کی تعداد کے باب میں حضرت علامہ کے ایک ضعیف موقف کی تائید کر گئے؛ حتی کہ ہمیں ایضاح البخاری میں توجیہ درکار ہوئی۔

ہماری طالب علمی میں دارالحدیث پر بدستور علامہ کشمیری کی چھاپ تھی، ترمذی اور ابوداؤد جلد اول کے اسباق یادگار تھے، ترمذی نے مذاہب کی بحث چھیڑ کر اپنی کتاب کو فقہ الحدیث کی طرف جھکا دیا ہے، درایتی ذوق کے محدث کی جولانیاں ترمذی میں دیدنی ہوتی ہیں، نشاۃ ثانیہ میں سب سے مقبول شخصیت حضرت مفتی سعید احمد پالنپوری ہیں، وہ دارالعلوم کی تدریس کے نقیب تھے؛ مگر ان کا "اورا" ترمذی کے دور میں عرش چھو رہا تھا، بخاری کے عہد میں نئی تاریخ رقم ہوتی؛ لیکن ایسا نہیں ہوا، وجہ فرق کتاب ہے، بخاری روایت پر سوار ہیں؛ جب کہ ترمذی فقہ کو بھی برابر لفٹ کراتے ہیں، شاید اسی لیے علامہ کشمیری نے دونوں سبق بحق خود محفوظ رکھے تھے۔

کشمیری اے آئی

علامہ کشمیری کی صورت میں علمی کائنات کو پہلا اے آئی ملا، وہ اکابر واصاغر کے لیے یکساں اے آئی تھے، حوالوں کے لیے حضرت شیخ الہند بھی مسائل آپ کی طرف ریفر کرتے تھے، علامہ شوق نیموی کے حواشی کی یہی کہانی ہے، اصل کتاب حضرت شیخ الہند کی خدمت میں آئی تھی؛ حضرت نے علامہ کو محول کی اور پھر ایک سونامۂ علم برپا ہوا، آثار السنن لازوال تھی، علامہ کے حاشیے نے وہ چار چاند لگائے کہ جنھیں دیکھنے کے لیے دو آنکھیں کافی نہیں۔

وہ علم و تحقیق کا مرجع تھے، علمی عقبات کا مردِ بحران تھے، محققین کا تکیہ تھے، راہِ جستجو کی آخری منزل تھے، یہ والی بات حضرت مولانا ادریس کاندھلوی رحمۃ اللہ علیہ نے فرمائی، کہتے ہیں کہ اگر کسی سوال پر سکوت ملتا تو ہم قلم رکھ دیتے اور گوگل انجن بند کر دیتے کہ اب یہ بات کہیں نہیں ملے گی، اعلاء السنن دیوبندیوں کا مایۂ افتخار ہے، علامہ ظفر احمد عثمانی کے قلم نے تاریخ رقم کی، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی سرپرستی کتاب کی خوبیوں کا راز ہے؛ لیکن اس سرپرستی کا ایک جزو اور بھی ہے۔

اس کی تفصیل یہ ہے کہ اعلاء السنن کے سفر میں ایسی گھاٹیاں بھی در پیش ہوئیں جن کا حل تھانہ بھون میں ندارد تھا، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ ان مقامات کی تحقیق موقوف رکھنے کا حکم دیتے، پھر جب اطمینان طلب مسائل کی ایک تعداد ہو جاتی تو مولانا ظفر احمد عثمانی کو دیوبند علامہ کشمیری کی خدمت میں بھیجتے، یہ علم و تحقیق کے باب کی ہر تشنگی کے چشمے کا واحد، آخری اور حتمی ایڈریس تھا، صاحب اعلاء السنن سیر ہو کر لوٹتے اور تاریخی گنجینے کو گراں بار کرتے، اعلاء السنن کے حسن میں علامہ کشمیری کا حصہ کمیت میں کم ہے؛ مگر کیفیت میں زیادہ ہے، وہ ڈیڈ لاک توڑتے تھے، شٹ ڈاؤن رفع کرتے تھے اور حنفی عجوبے کے سفر کو بحال کرتے تھے۔

ذیل میں حضرت قاری طیب صاحب کا ذاتی اے آئی تجربہ ملاحظہ ہو:

"۔۔۔۔۔۔۔۔میں نے عرض کیا کہ حضرت! ابو الحسن کذاب کا ترجمہ نہیں ملتا، اس کے بارے میں نشان معلوم کرنے حاضر ہوا ہوں، فرمایا: "ادب و تاریخ کی کتابوں میں فلاں فلاں مواقع کا مطالعہ کر لیجیے،" تقریبا آٹھ دس کتابوں کے نام لے دیے اور ان کے مظان و مواقع کی

نشان دہی فرمادی، میں نے عرض کیا کہ حضرت مجھے اس شخص کی پوری تاریخ معلوم کرنی نہیں، صرف ان کی صفتِ کذب ودروغ گوئی کے حالات معلوم کرنے ہیں؛ مگر ان کا کوئی عنوان کسی کتاب میں نہیں ملتا کہ اس کے نیچے ان خاص واقعات کا مطالعہ کرلوں۔"

"فرمایا: مولوی صاحب! آپ نے بھی کمال کیا، صفتِ کذب کون سی صفتِ مدح ہے کہ لوگ اس پر عنوانات قائم کر کے اس کے واقعات دکھلائیں، ایسی مذموم صفات وافعال کا تذکرہ تو ضمناً واستطراداً آجاتا ہے، عنوان ہمیشہ کمالات پر قائم کیے جاتے ہیں نہ کہ نقائص وعیوب پر، ان کتب میں فلاں فلاں مقام دیکھ لیجیے، ضمناً اس کی صفت کذب کا بھی تذکرہ کہیں نہ کہیں مل ہی جائے گا۔"

"میں نے عرض کیا کہ حضرت! مجھے تو کتابوں کے اتنے اسما بھی یاد نہ رہیں گے، چہ جائے کہ ان کے یہ مظان ومواقع محفوظ رہیں، نیز انتظامی مہمات کے بکھیڑوں میں اتنی فرصت بھی نہیں کہ چند جزوی مثالوں کے لیے اتنا طویل وعریض مطالعہ کروں، بس آپ ہی اس شخص کے کذبات اور دروغ گوئی سے متعلق واقعات کی دوچار مثالیں بیان فرمادیں، میں انھیں کو آپ کے حوالے سے جزو کتاب بنادوں گا۔"

”اس پر مسکرا کر ابو الحسن کذاب کی تاریخ اس کے سن ولادت سے سن وار بیان کرنی شروع کر دی جس میں اس کے جھوٹ کے عجیب وغریب واقعات بیان فرماتے رہے، آخر میں سن وفات کا ذکر کرتے ہوے فرمایا کہ یہ شخص مرتے مرتے بھی جھوٹ بول گیا، پھر اس جھوٹ کی تفصیل بیان فرمائی۔“

حضرت قاری طیب صاحب فرماتے ہیں: ”حیرانی یہ تھی کہ یہ بیان ایسے طرز سے ہو رہا تھا کہ گویا حضرت ممدوح نے آج کی شب میں مستقلا اسی کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے جو اس بسط سے سن وار واقعات بیان فرمارہے ہیں، میں نے تعجب آمیز لہجے میں عرض کیا کہ حضرت شاید کسی قریبی ہی زمانے میں اس کی تاریخ دیکھنے کی نوبت آئی ہو گی؟ سادگی سے فرمایا: جی نہیں، آج سے تقریبا تیس سال کا عرصہ ہوتا ہے جب میں مصر گیا ہوا تھا، خدیوی کتب خانے میں مطالعے کے لیے پہنچا تو اتفاقا اسی ابو الحسن کذاب کا ترجمہ سامنے آگیا اور اس کا مطالعہ دیر تک جاری رہا، بس اس وقت جو باتیں کتاب میں دیکھیں حافظے میں محفوظ ہو گئیں اور آج آپ کے سوال پر مستحضر ہو گئیں۔“

حضرت قاری صاحب فرماتے ہیں: اللہ اکبر! یہ واقعات حدیث

و تفسیر اور فقہ واصول کے ان مباحث سے تعلق نہ رکھتے تھے

جو ان کے متداول فنون اور روز مرہ کے مشاغل میں سے تھے؛ بل کہ ایک غیر متعلق بات اور وہ بھی چالیس سالہ مدت کی ذہن میں آئی ہوئی اور اوپر سے وہ بھی کسی اہتمام سے نہیں، محض اتفاقی طور پر اور سرسری انداز سے ذہن میں آئی ہوئی چیز تھی، اس کا اتنا استحضار عام معتاد حافظے سے بالا تر کرامتی حافظے سے ہی تعبیر کیا جا سکتا ہے۔"

(حیات انور:۲۲۸)

علامہ کشمیری کے علم کا موازنہ

حضرت والا کی علمی شان کا تذکرہ دانش گاہِ دارالعلوم کا لازوال جزو ہے، دہائیاں گذر رہی ہیں؛ مگر اس طلسم میں فرق نہیں آیا، زبانی داستانوں کے علاوہ منتہی طالب علم فیض الباری دیکھتا ہے، کچھ نہیں تو ترمذی کے حاشیے پر جلوہ افروز العرف الشذی سے گذرتا ہے، اردو تک محدود ہے تو ہر شرح ان کی آرا سے جگمگا رہی ہے، بالکل ہی فارغ ہے تو درس اور تکرار خود ان کی خوش بو سے مہکتے ہیں، غرض! ہمارے طالب علم کی کشمیری علم کے ساتھ رفاقت پیدائشی جیسی ہے۔

راقم کی سرگذشت بھی مختلف نہیں، دورے کی موسلا دھار

بارش میں ایک مستقل میزاب رحمت پر کشمیری مرقوم تھا؛ تاہم یہ ایک عام، معتاد اور معمول کا تاثر تھا، غیر معمولی اور مافوق العادت مرعوبیت کی داستان ایک سرسری اتفاق سے شروع ہوئی، فراغت کے بعد کی بات ہے کہ ایک موقع پر ملفوظات محدث کشمیری مرتبہ مولانا احمد رضا بجنوری سامنے آئی، چند ورق ادھر ادھر کیے تو مقبوض رہ گیا، وہاں کی باتیں ہی جدا تھیں، وہ علم کے چودہ سو سالہ سفر پر ٹارچ جمائے ہوے تھے، تحقیق در تحقیق کے منظر نے جادو کر دیا۔

دو چار روز کی ریاضت میں مطالعہ ختم ہوا، کتاب کی بساط لپیٹتے ہوے جو وسوسہ برجستہ سوار ہوا اسے من وعن بیان کرتا ہوں، میرے اندرون سے آواز آئی کہ دو میں سے ایک بات طے ہے: یا تو معاذ اللہ! نعوذ باللہ! استغفر اللہ! صاحبِ ملفوظات دنیا کا سب سے جھوٹا انسان ہے جو اتنی لمبی لمبی چھوڑ رہا ہے، یا پھر کائنات کا سب سے عظیم عالم ہے جو لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَلَا كَبِيرَةً إِلَّا أَحْصَاهَا کا سماں باندھے ہوے ہے! یہ نوادرات وعجائبات، محیر العقول دریافتیں، غیر معمولی مظاہر، غیر متوقع مناظر بہ ظاہر غیر معتاد ہیں، ان کی توجیہ کے لیے کرشمہ وکرامت کے سہارے درکار ہیں۔

اسی وقت عہد بند ہو گیا تھا کہ علامہ کا لٹریچر پڑھنا ہے؛ لیکن یہ موقع زندگی کے سب سے حسین سنگ میل پر میسر آیا، دارالعلوم میں تقرری کا پہلا ہی سال تھا، حضرت مولانا ریاست علی صاحب بجنوری رحمۃ اللہ علیہ کو اپنی حقیر تصنیف "اسلام اور انسانی حقوق" نذر کی، اگلے دن وہ فرمانے لگے کہ تجھے لکھنے کا سلیقہ ہے، ایضاح البخاری میں تعاون کر، حضرت کا اپنا ایک رنگ تھا، یہ بات میری اوقات سے بالا تھی، اسی پر محمول کی؛ لیکن حضرت نے اسے سنجیدگی سے لیا تھا، ان کی متواتر و مدلل حوصلہ افزائی میرے احساس کمتری پر غالب آئی۔

ایضاح البخاری کی خدمت نے علامہ کشمیری کو از سر نو دریافت کرنے کا موقع فراہم کیا، بخاری سے متعلق دیوبندی لٹریچر حضرت کی آرا، تحقیقات اور علوم ومعارف سے معمور ہے، فیض الباری تو بالاستیعاب تھی، صاحب ایضاح البخاری یعنی شیخ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کے آثار بھی کشمیری علوم میں رنگے ہوے تھے، ان کے دروس اور تصانیف: القول الفصیح اور القول النصیح میں بھی علامہ ہی جلوہ گر تھے، اگر یہ کہا جائے کہ شیخ فخر الدین رحمۃ اللہ علیہ کا درس بخاری فیض الباری کا پھیلاؤ اور تسلسل تھا تو اس میں مبالغہ پچاس فیصد سے زائد نہیں ہو گا، القصہ!

برسوں قبل حضرت علامہ کے علم کی جو ہیبت، رعب اور تاثر قائم ہوا تھا اب وہ پختہ ہو کر نقش دوام بن گیا۔

مجھے اس خیال کے دیگر شرکا بھی ملے کہ حضرت علامہ ہماری جماعت میں مراجع، مصادر اور کتابی علوم کی حد تک سب پر فائق ہیں، ممکن ہے حضرت قاری طیب صاحب نے حضرت علامہ کو خلاف معتاد اور کرامتی شخصیت کسی وقتی تاثر کے تحت لکھا ہو؛ مگر ہم نے اسے ایمان کے طور پر راسخ کر لیا، ایک روز میں اسی زعم میں استاذ گرامی قدر حضرت مولانا نعمت اللہ صاحب کی خدمت میں حاضر تھا، ابن تیمیہ، ابن حجر، ذہبی اور ابن الہمام سے موازنہ کرنے کے فراق میں تھا کہ جلد ہی روک دیا گیا۔

حضرت الاستاذ نے پھر تفصیلی گفتگو فرمائی، جس کا نچوڑ یہ ہے کہ وہ حضرت علامہ کے تعلق سے غیر معمولی رائے نہیں رکھتے ہیں، اس ساعت ان کا کلام بھی حضرت کشمیری کے رنگ میں تھا، جولانیاں ہمہ جہت تھیں، چھٹی، ساتویں اور آٹھویں صدی کے ہیرے جواہرات زیر بحث تھے، اگر میرا بخار سخت جان نہ ہوتا تو اس روز اتر گیا ہوتا؛ مگر ہلکا بھی نہیں ہوا، میں پانی پانی ہو کر لوٹا، بعد میں ایک دوست سے ماجرا نقل

کیا، وہ حضرت کشمیری کے علمی موازنے میں راقم کے ہم خیال ہیں، یا دو ہاتھ آگے ہیں اور حضرت اعظمی کے بہت نزدیکی ہیں، میری رپورٹ پر وہ کہنے لگے کہ ہاں حضرت الاستاذ ان کو استثنائی ہستی کے طور پر نہیں دیکھتے۔

یہی صورت حال استاذ گرامی قدر حضرت مولانا ریاست علی بجنوری کے یہاں رہی، ان کے نزدیک حضرت علامہ اکابر کی ترتیب میں ایک مقام پر تھے، سر فہرست نہیں تھے، ابتدا میں میری طرف سے تفخیم و تسفیخ عروج پر تھی، خوب قلم زد کرتے، ان سے منسوب ہر ارشاد میں ناپ تول اہتمام سے کرتے، مغرب سے قبل دو رکعات نفل والی روایت کو علامہ نے معلل کہا ہے جو کہ نازک بات ہے، حضرت نے منظور نہیں کی، پھر میں ابو بکر الاثرم کی تائید لایا تو دعوی قبول کیا؛ مگر بعد از تراش خراش، اب یہ کہنا مشکل ہے کہ وہ حضرت علامہ کو بچا رہے تھے یا اتنے بڑے دعوے پر مطمئن نہیں تھے۔

حضرت بجنوری حضرت شیخ الہند کے خاص مداح تھے، ان کو بہت خفگی تھی کہ سو اور پانچ سو سال والے دعوؤں میں حضرت علامہ کو شیخ الہند پر فوقیت دی گئی، اس بحث میں وہ تطبیق کے بھی روادار نہ تھے،

ترجیح کے کسی پہلو سے متفق نہیں تھے، وہ خود عظیم انسان تھے، متاثر ہونے میں احتیاط ان کو زیب دیتی ہے، تطبیق سے مراد یہ ہے کہ درایت اور نص فہمی میں حضرت شیخ الہند بہت بلند ہیں؛ جب کہ مصادر پر علامہ کی نگاہ وسیع اور گہری ہے، در اصل حضرت شیخ الہند کے علم میں وہبی زاویہ وجہ فرق ہے، اسے علم لدنی کی تعبیر بجا طور پر دی گئی ہے، یہ راست عطا ہوتا ہے، اس دولت میں حضرت شیخ الہند والا اور بالا ہیں۔

یہی وہ علم ہے جس کی بارش گنگوہ میں موسلا دھار ہوئی، لامع الدراری کے خزانے قاری کو مبہوت کرتے ہیں، سابقین کے لیے سامانِ حسرت کی حیثیت رکھنے والے ارشادات لاجواب کر دیتے ہیں، دل غیر جانبدار ہو کر کہتا ہے کہ یہ فیض ناموسِ موسوی سے ایک راست نسبت رکھتا ہے، سینۂ گنگوہ ان کو پسند آگیا ہے اور وہاں کچھ نیا دیتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب انسان کسبی علم کا حق ادا کر دیتا ہے تو اسے وہبی علم بخشا جاتا ہے، اسی وہبی علم میں حضرت مولانا محمد قاسم نانوتوی سب سے ممتاز ہیں، دوسرے چلتے اور دوڑتے ہیں تو وہ محو پرواز ہوتے ہیں، ان کی تصنیفات خود شاہد عدل ہیں۔

ہم بھی ڈھیٹ تھے قائم رہے، پھر یوں ہوا کہ وہی بات آستانۂ

تھانہ بھون میں دست یاب ہوئی اور ہم بے خودی میں رقصاں ہو گئے، حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ نے شہادت دی کہ علامہ کشمیری علم میں اپنے اساتذہ سے آگے نکل گئے تھے، یہ تائید سو معانی رکھتی ہے اور جن اساتذہ کی طرف اشارہ ہے وہ خود ان کے بھی اساتذہ ہیں، جس کی مدح ہو رہی ہے وہ جونیئر ہے، مداح بذات خود بحر العلوم ہے، رائے دہی میں انتہائی محتاط ہے، تاثر یا جذباتی عجلت کی کوئی مثال نہیں رکھتا، حصرت تھانوی کا ارشاد ذیل میں درج ہے ملاحظہ فرمائیں:

"مولانا انور شاہ صاحب بہت بڑے متبحر عالم تھے، یہاں تک کہ ہے تو گستاخی لیکن سچی بات کو کیوں چھپاؤں میرا یہ خیال ہے کہ وہ اپنے اکثر اساتذہ سے بھی علوم میں بڑھ گئے تھے۔" (ملفوظات، ج: ۷ ص: ۱۱۱)

موسوعیت

احاطۂ علوم آپ کا خاص الخاص امتیاز ہے، کہنے کے لیے جامعیت اور ہمہ گیری کے القاب عام ہیں، سیر و سوانح میں ان کی بازگشت گرم ہے، اس سے انکار نہیں کہ بڑی ہستیاں مختلف علوم و فنون میں درک رکھتی ہیں؛ لیکن ایسا نادر ہے کہ ایک ہی شخص کو کثیر فنون میں اجتہاد کا

درجہ حاصل ہو جائے، حضرت علامہ کشمیری رحمۃ اللہ علیہ تقریبا تمام اسلامی اور عربی علوم وفنون کے علامہ تھے، اس خاص معنی میں شاید ہی کوئی عالم ایسا گذرا ہو کہ اس پر علامہ کا خطاب اس درجہ چست واقع ہو، حضرت کی علمی وفنی جامعیت علامہ کے خطاب کو سیری کے بالکل نئے معانی بخشتی ہے۔

یہی وجہ ہے کہ آپ کے امالی کو زیادہ شہرت ملی؛ کیوں کہ وہ متنوع علوم وفنون کا گنجینہ ہیں، فنون کی وادیوں میں آزاد بہنا آسان نہیں، یہ تحریر میں تو ممکن ہے کہ انسان کے پاس سوچنے کا وقت ہوتا ہے، مراجعت کا راستہ بھی کھلا رہتا ہے؛ لیکن خطاب میں ہر باب کی کام یاب دستک جوئے شیر ہے، لگ بھگ عنقا، ہمارے ممدوح نے یہیں علم اعجاز نصب کر رکھا ہے، وہ نحو میں سیبویہ کو مشورہ دیتے ہیں، لغت میں ہزاروں اشعار نچوڑ دیتے ہیں، تفسیر وحدیث کے لاینحل مقامات پر داد تحقیق دیتے ہیں، اہم فقہی مباحث کی تنقیح میں نئی مثال قائم کرتے ہیں۔

وہ راست بانیان فنون سے آنکھیں ملاتے ہیں، ان کی دریافتیں مسائل مدونہ کو قابل رشک اضافہ فراہم کرتی ہیں، ان کی شوخیاں فن کے اصولوں کو گدگداتی ہیں، وہ اپنی جولانیوں میں ائمہ کے مصاحب

نظر آتے ہیں، ان کا استحضار اس بات کو یقینی بناتا ہے ان کا برجستہ کلام دائرۃ المعارف کہلائے، امالی کی دنیا میں اس کمال کی کوئی نظیر نہیں، بے شک تصانیف میں تنوع اور ہمہ گیری ملتی ہے؛ لیکن یہاں امالی، درس، افادات اور مجالس کا ذکر ہے، اس باب میں آپ کشمیری امتیاز کا دعوی پورے وثوق سے کر سکتے ہیں، جو وسیع، کثیر، متنوع، شش پہلو، متعدد رخ، ہمہ جہت رنگ کشمیری زبانی افادات میں ہے وہ کہیں دیکھنے میں نہیں آیا۔

علامہ کشمیری کی دسترس، گرفت، رسائی اور وسعت کا اندازہ ان کی آرا سے لگائیں، وہ اپنی ابحاث کی روشنی میں مردِ بحران نظر آتے ہیں، انھوں نے علوم کی مشکلات حل کی ہیں، بحثوں کے گیسوئے برہم سوارے ہیں، ایمان میں کمی بیشی کی بحث، کفار کے مخاطب ہونے کا مسئلہ، نزول عیسی کا عقیدہ، رویت باری کا مقدمہ، تواتر میں اقسام کی دریافت، تنقیح میں تفریع، رجال کی تحقیق وتدقیق، وغیرہ درجنوں معرکۃ الآرا مسائل اور موضوعات میں آپ کی رائے اور تحقیق حتمی رنگ میں رونما ہوئی، اس کے علاوہ آپ نے اپنی آرا سے قرآن آور علومِ قرآن نیز حدیث اور علوم حدیث کے ذخیرے میں بیش بہا اضافہ کیا۔

EJAZ E ALLAMA KASHMEERI

Majmooa e Mazameen

MUFTI MOHAMMAD FAHEEMUDDIN BIJNORI
Sabiq Ustaz Darul Uloom Deoband

Murattib

Maulana Ahmad Qasmi Muradabadi

Nashir

MF Bijnori Publishers